ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

کے پی کے کے اردو افسانہ میں مذہبی انتہا پسندی

Religious Extrmity in Urdu literature of KPK

Dr Ajmal Khan
Asstt Professor Deptt Urdu
University of Swat
Muhammad Tahir Bostan Khan
Lecturer Deptt Urdu
Cadet College Swat
Qaisar Javed
Lecturer Deptt Urdu
Cadet College Swat

ASTRACT:
Religious extremity finds its roots fromliterature since beginning of the times.It is significant because it covers the culture as a costume of any nation and society,which embraces all such as religion,beliefs,knowledge,moralities,traditions,art,customs,and conventions. It investigates bout the rural culture and traditions of Khyber Pakhtunkhwa as an important subject of fiction the given writers. Eighty percent of our population resides far away from cities in the rural setups. Almost all the rural societies are agro¬based,therefore,they are considered as the backbone of our economy. This is the reason that short story writers of this region have insightfully portrayed about natural beauty and rural environment

KEY WORDS:
Embraces, Important, Traditions, Populations, Considered, Rural, Religion, Writers, Economy, Beauty, Customs, Socity

مذہبی جنونیت:

خیبر پختون خوا کی آبادی تقریباً اکیس ملین ہے۔سب سے بڑا نسلی گروہ پشتونوں کا ہے جن کی آبادی صوبے کے کل آبادی کا تقریباً 72 فیصد ہے۔اس کے علاوہ صوبہ خیبر پختون خوا میں اندازاً پچیس لاکھ افغان مہاجرین بھی قیام پذیر ہیں جن میں اکثریت پشتونوں کی ہے۔ یہاں کے ادیبوں اور افسانہ نگاروں نے بکثرت اپنے تخلیقات میں انہی پشتونوں کا ذکر کیا ہے اور یہاں کے تہذیب و ثقافت کو انہی سے جوڑ کر پشتون تہذیب و ثقافت کا نام دیا ہے۔اسلام اور پشتونولی کی مشترکہ خصوصیات ہی کے بنا شائد سب پختون من حیث القوم مذہب اسلام میں داخل ہوگئے۔ان خصوصیات میں راست بازی، مہمان نوازی، شجاعت و بہادری،ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت ،اور سخاوت وغیرہ شامل ہیں۔پشتون پیدائشی طور پر مسلمان ہوتے ہیں جبکہ کوئی غیر مسلم پشتون کو اپنے اندر نہ سما سکیں مولانا عبدالقادر اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "اسلام کے سوا کسی دوسری مذہب کا تصور پختونوں کے یہاں نہیں ملتا۔جو پشتون پیدا ہوا ہے وہ پشتون خواہ مخواہ مسلمان ہوگا۔دین اسلام کے اخلاق و عقائد سے روگردانی گویا پشتو سے روگردانی ہے۔اس لیے آج بھی اگر کوئی دین اسلام ترک کر دیتا ہے تو اس کو پشتون ولی سے یکسر نکال دیا جاتا ہے۔اس کے بعد وہ ایک عیسائی، ہندو یا سکھ کی طرح تو رہ سکتا ہے مگر پشتون کی حیثیت سے معاشرے میں جگہ نہیں پا سکتا۔پشتون ہندو، پشتون سکھ ، پشتون عیسائی یا پشتون یہودی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔(1)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

اسی طرح پشتونولی کے اصول و ضوابط پر بھی اگر غور کیا جائے تو وہ بھی اسلامی ضابطہ حیات سے بڑی حد تک ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ پشتون چونکہ بہت پہلے اسلام قبول کر چکے ہیں اس لیے پشتونولی کے ضابطے اسلامی ضابطے کے تحت پروان چڑھتے رہے ہیں۔ پختونوں کے یہاں مذہب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی معاملے میں اسلام کو مد نظر رکھنا پختونوں کے یہاں اور کسی بھی اقدام سے پہلے مذہب سے پرکھنا ان کی روایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیں داری اور اسلامی احکام کی پیروی کو پختون معاشرے میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ پشتون معاشرے میں جو شخص جتنا زیادہ با عمل اور دیندار ہوگا اسے اتنا ہی بلند مقام دیا جاتا ہے اور لوگ اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

فارغ بخاری اور رضا ہمدانی کی مرتبہ کتاب "اٹک کے اس پار" میں شامل افسانہ "خوبانیاں" کے مصنف قتیل شفائی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی نکتہ پختون قبائل میں موجود توہم پرستی کو سامنے لانا ہے۔ مذکورہ افسانے کا مرکزی کردار نوروز نامی ایک نیک فرد ہے۔ یہ کردار اس خطے کا ایک نمائندہ، جامد اور روایتی کردار بن کر سامنے آتا ہے۔ افسانے کے ابتدائی حصے میں مصنف نے نوروز کا تعارف یوں کیا ہے:

> "نوروز پرانی وضع کا ایک متوکل اور با اخلاق انسان تھا جسے شروع شروع میں گاؤں کے بڑے مولوی صاحب کے تعلیمات نے متاثر کیا اور وہ مسجد کا تنکا بن کے رہ گیا۔ گرمی ہو یا سردی، طوفان ہو یا بھونچال، اسے مسجد کی سیڑھیاں پانچ وقت باقاعدگی سے آتے جاتے دیکھا کرتیں، وہ منہ اندھیرے گھر سے نکلتا، اڑوس پڑوس کے نمازیوں کو ساتھ لیتا"۔(2)

نوروز کلام الٰہی سے آفاتی سماوی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں کو ان عملیات کے بارے میں ترغیب دیتا ہے کہ لوگ بھی اس کار خیر میں شریک ہو سکیں۔ وہ لوگوں کو خدا رسیدہ لوگوں کی کرامات بیان کرتا رہتا ہے۔ مثلاً وہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ:

> "جب پیر بابا چترال پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے اچانک غائب ہو جانے کی خبر سن کر کافرستان کے لال کافروں نے چترال پہ ہلہ بول دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔جب پیر بابا نے یہ حال دیکھا تو ان کے غصے کی انتہا ہو گئی۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہا" میرے پرستاروں سے یہ سلوک"۔ اتنا کہنا تھا کہ آسمان سے کالے کالے اژدہوں کی بارش ہو گئی جن کو دیکھ کر مخلوق خدا اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن پیر بابا کی کرامات تھی کہ اژدھوں نے چترال کے کسی بھی باشندے کو کچھ نہ کہا اور لال کافروں کے ایک ایک فرد کو چن کر نگل گئے''۔(3)

ان واقعات کو سن کر گاؤں کے سادہ لوح لوگ مرعوب ہوتے رہتے ہیں۔ نوروز کے گھر ربانی نامی ایک تعلیم یافتہ لڑکا مہمان بن کر آتا ہے۔ یہ کردار جدید سائنسی دور کے پروردہ نسل کی نمائندگی کر رہا ہے۔ ربانی نوروز کی باتوں کو سن کر منتقی دلیل مانگنے لگتے ہیں۔ یوں قدیم و جدید افکار کا ٹکراؤں ہو جاتا ہے۔ ربانی جدید علوم کی تناظر میں دلائل لاتا ہے جبکہ نوروز توہم پرستی سے بر پھور دلائل لا کر ربانی کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ خوبانیوں کا موسم جوبن پر ہوتا ہے۔ اچانک اندھی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ نوروز خوبانیوں کو تباہ ہونے سے بچانے کی لیے پیر بابا کو پکارنے لگتا ہے۔ بعد از دعا طوفان کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ نوروز اس فتح پر انتہائی خوش ہے۔ نوروز ربانی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

> " کیوں بیٹا دیکھ لیا نا پیر بابا کے دعاؤں کا اثر، اندھی کو پانی کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔خدا رسیدہ بزرگ کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر وہ چاہے تو دریاؤں کے بہاؤں کا رخ بدل دے۔ اگر وہ حکم دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے"۔ ربانی کے دماغ پر نوروز کی باتیں ہتھوڑے بن بن کر برس رہی تھیں''۔(4)

جبکہ ربانی کا ذہن ان سب کو ماننے سے انکاری ہے۔ صبح صادق کے وقت دوبارہ آندھی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تب آندھی نے تمام درختوں سے پھلوں کا صفایاں کر دیا۔ اب ربانی خوش و خرم اور پر جوش ہے۔ افسانے میں علاقائی توہم پرستی و ضعیف الاعتقادی کا بہترین انداز میں احاطہ کیا گیا ہے۔ جبکہ ربانی کے توسط سے مصنف کا پیغام یہ ہے کہ جدید علوم سے مرصع نئی نسل توہم پرست طبقے کی باتوں میں آنے والا نہیں۔ مربوط پلاٹ، برمحل مکالموں اور فکری خوبیوں سے مزین یہ ایک اچھا افسانہ ہے۔

قتیل نے اوہام پرستی اور پیروں فقیروں کے کردار پر کاری ضربیں لگائی ہیں اور ان لوگوں کو جو ضعیف الاعتقادی کا شکار ہو کر حقائق سے روگردانی کرتے ہیں اور اپنے ایمان اور یقین کو ایسی جھوٹی کہانیوں اور ایسے جھوٹے پیروں پر قربان کر دیتے ہیں درس دیا ہے کہ وہ ان سے گریز کریں۔ خوبانیوں کے باغات سے ایسی عمدہ کہانی کو جنم دینا قتیل کی ذہنی اپج کا نتیجہ ہے افسانہ ان تمام تر فنی لوازمات کا حامل ہے جو ایک اچھے اور معیاری افسانے کی بنت کے لیے ضروری تصور کئے جاتے ہیں۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن سے قتیل کو افسانوی ادب میں اس کے پورے ادبی قد کے ساتھ کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

فارغ بخاری اور رضا ہمدانی کی مشترکہ کاوش "اٹک کے اس پار" میں چند اور بھی عمدہ افسانے موجود ہے۔ عبدالودود قمر نے غنی خان (نامی گرامی پشتو شاعر) کی ایک افسانے کا ترجمہ "پور" کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی اس مجموعے میں شامل کیا ہے۔ مذکورہ افسانے میں شیر خان کے والد اپنے علاقے کا جاگیر دار ہے لیکن چچازاد بھائیوں کے ڈر سے دنیا تیاگ کر گوشہ نشین ہو چکا ہے۔ مولوی بن کر دوسروں کو مسجد میں دعوت دین دے رہا ہے۔ تاہم اس کے اس فعل سے شیر خان اور شیر خان کی ماں کو نفرت ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ :

> "شیر خان کا باپ اپنے گاؤں کا خان تھا بڑا نیک اور پرہیزگار مگر کمزور۔۔۔۔۔گاؤں کے ملکیت میں خان کے طاقتور تر بور (چچازاد بھائی) برابر کے شریک تھے۔ زیادہ اثر ورسوخ اور طاقت حاصل کرنے کے لیے ان کے آپس میں بڑی کشمکش رہتی۔ لیکن شیر خان کا والد کوئی پرواہ نہ کرتا اس دنیا کی کمزوری کی تلافی آخرت کے حسین خوابوں سے کی جاتی ہے۔ شیر خان کے والد کا بھی یہی حال تھا۔۔۔۔۔ریوالور کی بدلے تسبیح خرید لی اور حجرہ چھوڑ کر مسجد کا ہو رہا۔ وہ دن رات خوف خدا سے کانپ کانپ جاتا۔ پر سچ پوچھئے تو اس خوف کے پردے میں زیادہ تر تربوروں (چچازاد بھائیوں) کا ڈر تھا۔۔۔۔۔وہ تمبا کو اور نسوار کی برائیاں بیان کرتا اور وعظ کے دوران میں اپنی دھاڑی سے کھیلتے جاتا"۔(5)

اس ظاہر داری اور کم ہمتی کی وجہ سے بیوی اور بیٹا دونوں ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ شیر خان چچا کے بہکاوے میں آکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس کہانی کے توسط سے مصنف نے جاگیر دار طبقے کے دین کی طرف رغبت کا تذکرہ کیا ہے۔ شیر خان کا باپ مسجد میں حالت کی وجہ سے مولوی بننے پر مجبور ہے۔ کیوں کہ اس طرح وہ خود کو چچازاد بھائیوں کی قہر سے خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔

پشتونوں میں انتقام اور دشمن داریاں زندگی بھر چلتی رہتی ہیں بلکہ نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ پشتون کا جذباتی شدت کا نسلی رجحان قتل وغارت گری مین معاملے کی تحقیق کئے بغیر جلد بازی کرکے اپنی ائندہ آنے والی نسلوں کے لیے انتقام کی راہیں کھول دیتا ہے۔ خاندان تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں۔ کڑیل جوان پیوند خاک ہو جاتے ہیں لیکن انتقام کی آگ سرد نہیں ہوتی۔ معاف کرنا تو پشتون ولی میں بے غیرتی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ معاشرے میں اپنا شملہ انچا رکھنے کے لیے کئی جانوں کا زیاں ہوتا رہتا ہے۔ ناک کٹنے کے خوف سے کئی گلے کٹتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہتا ہے۔ اسی معاشرتی المیے کو افسانہ نگار نے اپنے تخلیق میں بھرپور انداز میں اجاگر کیا ہے۔

مجموعے میں شامل رضا ہمدانی کا افسانہ "غوبل" میں مولوی حضرات کی دنیاداری اور لالچ کا تذکرہ موجود ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "کسان کھیت میں موم کی طرح پگھلتا رہا اور بچے کھری چارپائی پر دم توڑتے رہے۔ ان کی آنکھیں باپ کے انتظار میں دروازے کی طرف دیکھتے دیکھتے کھلی رہ گئیں۔ جن کے جنازے کے ساتھ مسجد کے امام نے بھی بے اعتنائی برتی اور "جنازہ نماز" کے لیے چنڑیں (مولوی کے شاگرد) ہی کو بھیجنا کافی سمجھا"۔(6)

مولوی حضرات علاقے کے خان اور ملک کے جنازے مین تو خود بھی شریک ہوتے ہیں بلکہ تمام شاگردوں اور عزیزوں کو بھی ساتھ لاتے ہیں کیوں کہ اُن سے کچھ ملنے کی اُمید ہوتی ہے لیکن جب علاقے کا کوئی غریب مر جاتا ہے تو مولوی صاحب اپنے کسی شاگرد کو بھیج کر جنازہ پڑھوا لیتے ہیں۔ افسانہ نگار نے مولوی حضرات کے اس دوغلے پن پر گرفت کی ہے۔

مکالماتی انداز میں لکھا گیا یہ افسانہ فنکاری اور ادبی حسن کا حامل ہے۔ جس میں بھرپور افسانویت ہے۔ انھون نے کسان کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھ کر اس کی مشکلات اور تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اسے اپنے حق کے حصول پر ابھارا ہے۔ مصنف نے مزدور کی زندگی کے تلخ اور اٹل حقیقتوں کو افسانے میں اس طرح سمویا ہے کہ اس کے بھیانک پہلوؤں کے ساتھ ماحول اور ثقافت کے نقوش بھی افسانے کے حریری لباس میں بڑے جمالیاتی حسن کے ساتھ سامنے آتی ہیں جس میں ماحول کی تلخی کسی حد تک کم ہو گئی ہے۔

افسانہ 'خشک چٹانیں" کا مرکزی کردار گاؤں کے امام مسجد مولوی محمد افضل ہے۔ مولوی صاحب گاؤں کے جاگیر دار کی بیٹی گل سانگہ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ گل سانگہ کو بھی مولوی صاحب سے محبت ہو جاتی ہے۔ یوں دونوں چھپ چھپ کر ملتے ہیں۔ مولوی صاحب عبدالجید خان صف میں بہترین جگہ دیتے ہیں۔ اس عمل کو عبدالمجید خان پسند کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بیوی کے سامنے بھی وہ اس عمل پر خوشی ظاہر کرتا ہے لیکن جب مولوی صاحب عبدالمجید خان سے گل سانگہ کا رشتہ مانگتا ہے تو عبدالمجید خان کا ردِ عمل بڑا شدید ہے۔ وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے کہ :

> "یہ مسجد کے امام نے مجھے کیا سمجھا ہے"۔ وہ غصے میں بولا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

"کیوں کیا بات ہو گئی "اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔"وہ گل سانگہ کا رشتہ مانگتا ہے۔"وہ پھٹ پڑا۔"اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتا کہاں میں پختون (علاقے کا خان) اور کہاں وہ آستانہ دار"۔"ہوں"۔(7)

مندرجہ بالا مکالمہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جہاں جاگیر دار کا فائدہ وہاں جاگیر دار مولوی صاحب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن جہالت جہاں ذات پات اور رشتے کی بات آتی ہے تو یہ خان، ملک اور نواب دیگر لوگوں سے اپنے آپ کو برتر نسل خیال کرتے ہیں۔اگرچہ اسلام سراسر اس طرح کی اونچ نیچ سے دور رہنے کا درس دے رہا ہے۔

گل سانگہ کی محبت میں مولوی محمد افضل کو سنگسار کر دیا جاتا ہے۔بڑے پتھر کے ساتھ باندھ کر دریا برد کر دیا جاتا ہے۔گل سانگہ بھی پہاڑ سے چلانگ لگا کر مر جاتی ہے۔مصنف کا پیغام یہ ہے کہ اس معاشرے میں یہ ایک غلط تصور موجود ہے کہ مذہبی راہنما مطلق سینے میں دل نہیں رکھتے۔یہی وجہ ہے کہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوتا ہے:

"مولوی افضل جب پتھروں سے نہ مرا تو لوگوں نے مشورہ کیا اور پھر اس کے پاؤں میں رسی ڈال دی گئی۔۔۔۔مولوی افضل کا سر ایک چٹان سے دوسری چٹان پر جا گرتا۔وہ اُٹھنے کی کوشش کرتا مگر ہاتھ بھی پیچھے بندھے ہوئے تھے۔۔۔۔۔اس کے بعد اس کے جسم سے ایک بھاری پتھر باندھ دیا گیا۔اس پتھر سمیت اسے دوبارہ دریا میں ڈال دیا گیا۔ایک لہر نے اس کو دریا کی تہہ والی چٹان سے جا ٹکرا دیا چند بلبلے سطحِ آب پر آئے اور پانے دور تک گلابی ہوتا چلا گیا"۔(8)

یوں ایک جاگیر در کی جھوٹی انا اور احساس برتری پر مولوی صاحب اور گل سانگہ دونوں قربان ہو گئے۔مولوی صاحب کا کردار اس کہانی میں ایک مظلوم انسان کے روپ میں نظر آتا ہے۔

اس افسانے میں پشتون معاشرت کی روایات کی بھرپور عکاسی کرتے ہوئے "تور" کی رسم کو موضوع بنایا گیا ہے۔لڑکا اور لڑکی میں اگر ناجائز تعلقات ہو تو قبائلی رواج کے مطابق دونوں کو سنگسار کر دیا جاتا ہے اور لڑکے کو لڑکی کے بھائی مارتے ہیں تاکہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لے سکیں۔مسجد کے نوجوان امام کو گل سانگہ سے محبت کے جرم کی پاداش میں سنگسار کر دیا جاتا ہے جبکہ گل سانگہ پہاڑ سے چھلانگ لگا کر جان دے دیتی ہے۔اکلوتی بیٹی گل سانگہ کی موت پر عبدالمجید کا دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن وہ رو نہیں سکتا کیونکہ (تور) سنگسار کئے جانے والے کی موت پر رونا قبائلی رواج کے مطابق بے غیرتی سمجھی جاتی ہے۔

سحر کے افسانے زندگی کے گہرے تجربات اور عمیق مشاہدہ کا نچوڑ ہیں۔معمولی جزئیات کو بھی کمال فنکاری سے پیش کرتے ہیں جو ان کی انتہائی ذہانت کا ثبوت ہیں۔معاشرے کی بے حسی کا شکار مجبور انسانوں کی زندگی اور ان کے احساسات کی مصوری ان کے ہاں بڑی خوبی سے کی گئی ہے وہ انسانی دکھوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں۔وہ معاشرتی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے زندگی کے چند پہلوؤں کو پیش کرنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔فنی لحاظ سے بھی ان کی کہانیاں معیاری ہیں۔

رضا ہمدانی نے اپنی کتاب ''پشتو افسانے "میں اس خطے کے بہترین افسانوں کا ترجمہ اُردو زبان میں پیش کیا۔مراد شینواری کے افسانہ "نجب خان "میں ایک حریت پسند نجب خان کی کہانی بیان ہوئی ہے۔نجب خان بڑی جانبازی سے انگریزوں سے گوریلا جنگ لڑ رہا ہوتا ہے۔لیکن علاقے کا ضمیر فروش ملک اور کچھ ہوس پرست مولوی انگریزوں کا ساتھ دے کر نجب خان کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔نجب خان نے جب انگریز عورت کی جنگ بندی کا شرط منوانے کے لیے اغوا کیا تو مولوی حضرات نے اس عمل کو غیر شرعی قرار دیا۔مصنف لکھتے ہیں:

"جب ہمارے جاسوس نے یہ خبر سنائی تو ہمیں یقین ہو گیا کہ قبیلوی غیرت مر رہی ہے اور پھر سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے جب ہم نے یہ سنا کہ خربوخے کے ملّا کا لڑکا کھلم کھلا یہ کہہ رہا ہے کہ "نجب خان نے انگریز عورت کو اغوا کر کے خلافِ شرع کام کیا ہے وہ گنہگار ہے کیوں کہ اس نے پرائی عورت پر بُری نظر ڈالی ہے"۔ہمیں سخت غصہ آیا کہ ملّا صاحب اس وقت کہاں تھا جب انگریزوں نے ہماری بہوں بیٹیوں کی بے عزتی کی تھی۔کیا اُس وقت اسے شریعت یاد نہیں تھی۔(9)

ان ایمان فروش ملاؤں میں ایک حق گو اور حق پرست ملا کا تذکرہ بھی موجود ہے۔مصنف لکھتے ہیں:

"تیراہ کے سارے ملاؤں میں صرف ایک ملا صاحب اخونزادہ ہی ایسا تھا جو انگریزوں کا سخت دشمن تھا اور کسی قیمت پر کبھی ان کے ساتھ سمجھوتے کے لیے تیار نہ تھا"۔(10)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

ایک انگریز ایجنٹ نے نیک اور پر ہیزگار بندے کا روپ دھار کر مولوی اخونزادہ کو اس بات پر قائل کر لیا کہ انگریز عورت نجب خان سے لے کر فرنگیوں کو واپس کر دی جائے اور یوں گوروں نے اپنا مقصد پورا ہوتی ہی تمام وادی تیراپر چڑھائی کر دی۔ مصنف نے اس جنگ میں مولوی حضرات کی خود غرضی کا تذکرہ بحسن و خوبی کیا ہے۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ایمان فروش مولویوں کے درمیان حق پرست مولوی بھی ہر دور اور ہر جگہ اس خطے میں موجود ہوتے ہیں۔

فہمیدہ اختر کے افسانوی مجموعہ "اپنے دیس میں" خیبر پختون خوا کے علاقائی مسائل اور سماجی رویوں کا کماحقہ احاطہ کیا گیا ہے۔ افسانہ "نشانہ" میں وٹہ سٹہ (کسی لڑکی سے اس شرط پر شادی کرنا کہ اُس لڑکی کا بھائی بھی دولہے کی بہن سے شادی کرے) شادیوں کے نقصانات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ساز گل اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر پہاری علاقہ میں کئی پرندے مار گراتا ہے۔ کچھ پرندے بھوند کر کھانے کے بعد واپس آرہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی رومانہ کے لیے بھی چند پرندے ساتھ لے آتا ہے۔ تاہم گاؤں میں داخل ہونے کے بعد ساز گل کو راستے میں بہن خورشائے مل جاتی ہے۔ خورشائے کا کہنا ہے کہ مجھے میرے شوہر میدا خان نے گھر سے دھکے مار کر نکالا ہے۔ خورشائے کو وہ دلاسادے کر اپنے گھر لے آتا ہے لیکن وہ اُلجھن میں گرفتار ہے کہ کس طرح اپنی پیاری اور چہیتی بیوی رومانہ کو گھر سے نکال دے۔ خورشائے اس بات پر سخت غصہ ہے کہ رومانہ کو ساز گل انتقاماً بھائی کے گھر کیوں نہیں بھیج دیتا؟ بہن اُس کو مخاطب ہو کر کہتی ہے:

"تم بے غیرت ہو، نہیں تو میدا خان کی بے عزتی کا جواب دو۔"(11)

ساز گل کا دوست زیارت گل میدا خان کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا مشورہ دیتا ہے۔ تاہم علاقے کے مولوی کا یہ کہنا انتہائی قابلِ افسوس ہے:

""ساز گل" یہ قریب کی مسجد سے مُلا رحیم کی آواز تھی۔

"کیا ہے"۔

"سنا ہے خورشائے کو میدان خان نے مار کر گھر سے نکال دیا ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے۔"

"تو تمہاب کیا کروگے؟ تمہارے باپ تو بڑا غیرت مند تھا۔"

جو میرا جی چاہے وہ میں کروں گا" یہ کہہ کر ساز گل آگے چل دیا"۔(12)

ان تمام مشوروں اور طعنوں کو ذہن میں رکھ کر ساز گل اپنی بیوی کو میدا خان کے گھر نہ چاہتے ہوئے بھی بھیج دیتا ہے۔ کہانی میں مولوی کا کردار بھی انتہائی منفی ذہنیت رکھنے والے شخص کی ہے۔ اس افسانے میں تجسّس کا بے پناہ مادہ موجود ہے۔ قاری آخر تک اس تجسّس میں رہتا ہے کہ آیا ساز گل لوگوں کے دباؤ میں آکر فیصلہ کرے گا یا وہ اس جاہلانہ رسم کو توڑ دے گا۔ مگر ساز گل انحراف کے بجائے ارتکاب کر دیتا ہے اور ان فرسودہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے بیوی کو ناکردہ گناہ کی سزا دیتا ہے۔ اس افسانے میں بدلے کی شادیوں کے نقصانات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جہاں ظلم کا نشانہ ہر حال میں عورت ہی کو بننا پڑتا ہے۔

فہمیدہ نے صرف کھاتے پیتے لوگوں اور ان سے وابستہ معاملات کو ہی اپنے افسانوں کا موضوع نہیں بنایا بلکہ بھوکی انسانیت اور سسکتی زندگی معاشرتی جبر ،فرسودہ روایات اور پشتون قبائلی خواتین پر روا رکھے گئے مظالم کو بھی اپنے موضوعات میں شامل کیا ہے۔ انہوں نے عام رومانی انداز سے ہٹ کر روزمرہ زندگی کے معمولی واقعات میں اپنے سحر کار قلم سے اتنی شدت اور جاذبیت بھر دی ہے کہ قاری بے اختیار حسن اسلوب کا قائل ہو جاتا ہے وہ سادہ رواں اور سلیس انداز میں درد انگیز حقائق بیان کر دیتی ہیں۔ الفاظ کی بندش جذب اور دل کش ہے۔ الفاظ کی دروبست اور مکالمے موضوع سے ہم آہنگ ہیں۔

مسز منور رؤف نے اپنے افسانے میں خیبر پختون خوا کے ماحول کی خوب عکاسی کی ہے۔ "رڑاں (روشنی)" نامی افسانے میں ایک عورت خود کلامی کی انداز میں ماضی کی واقعات دہرا رہی ہے۔ یہ عورت ایک سی ایس پی افسر کی بیوی ہے۔ کئی ملازمین میں سے ایک رڑاں نامی عورت نے بھی ان گھر ملازمت کی۔ رڑاں ایک دیانت دار اور مخلص عورت ہے۔ دورانِ گفتگوں رڑاں کے حالات راوی کردار پر یوں ظاہر ہوتے ہیں:

"میں نے اس کی حالات مختصر طور پر معلوم کئے اور جب پتہ چلا کہ وہ مسجد کے مُلّا کی بیٹی ہے"(13)

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب نے رڑاں کی تربیت بہترین انداز میں کی ہے۔ رڑاں ایک باشعور اور انسانیت کا درد دل میں رکھنے والی ہے۔ وہ مالکن کے گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہے۔ اس کے کچھ جملے راوی کردار کے لیے متاثر کن ہیں۔ مثلاً:

"آج کل لوگ تن کی صفائی پر بہت وقت لگاتے ہیں اور من کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ من کا اجلا ہونا زیادہ ضروری ہے

(14)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

"بی بی انسان کب رہا ہے۔انسانیت تو کب کی مر چکی ہے یہ اس کا جنازہ ہے جسے ہم خوبصورت کفن پہنائے خوشبیوں سے مہیا پھرتے ہیں۔آپ دیکھتی ہے لوگ کتنے اعلیٰ کپڑے پہنتے ہیں۔پاوڈر کریمیں لگاتے ہیں۔ایسے خوشبویں لگاتے ہیں کہ دماغ مہک جاتا ہے لیکن یہ اوپری مہک ہے۔سوچ بھی ایسے مہکے تو بات ہے نا۔"(15)

رڑاں میں موجود خوبیاں تو دراصل اس کی ایماندار اور دیانت دار والد کی تربیت کا عکس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مالکن کے دل میں اس کا مقام و مرتبہ انتہائی بلند ہے۔

مصنفہ کا ایک اور افسانہ 'فاعتبر وایااولی الابصار"کا مرکزی کردار ایک حق گو مولوی ہے۔بستی پر مختلف آفاتِ سماوی کا نزول ہو رہا ہوتا ہے۔ابتداء میں مرغیوں کی گردن مروڑ کر خون پینے کے واقعات رونما ہوتے رہے۔پھر محلے کے تین بچے لاپتہ ہوگئے اور ڈھونڈنے پر مردہ پائے گئے۔مردہ لاشوں کے کلیجے اور گردے غائب تھے۔پھر جو مصیبت آئی اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

"پھر اچانک ہی بستی میں کہی سے لال بیگ اُڑتے اُڑتے آگئے اتنے لال بیگ کے لوگ دیکھ دیکھ کر بد ہواس ہوئے جاتے تھے۔روک تھام کے بہتری تدابیر کئے گئے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔بالاخر بستی والوں نے شہر کے محکمہ صحت سے رجوع کیا۔ڈاکٹروں کی ٹیمیں پہنچیں۔ادویات لائے گئے،اسپرے اور چھڑکاؤں کا بندوبست کیا گیا۔۔۔۔مگر یہ کیا؟ان ادویات سے تو پوری بستی کی فضاء مک در ہو گئی۔نہ کھانا کھانے کا مزا رہا نہ پانی پینے کا۔ہر وقت کسی نہ کسی گیس کی بو اور ہر چیز میں کسی نہ کسی دوا کا اثر محسوس ہونے لگا"۔(16)

ادویات کی چھڑکاؤں کے نتیجے میں انسان اور جانور بیمار ہو کر مرنے لگتے ہیں۔پھر بستی پر بڑے بڑے چوہے یلغار کر دیتے ہیں۔بستی کی لوگ طرح طرح کی ادویات استعمال کرکے ان چوہوں کو ختم کرنے میں بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔ان حالات میں لوگوں کا ردِ عمل ملاحضہ ہو:

"اب بستی والے بے حد خائف ہو گئے تھے۔انہوں نے اُپر تلے کے ان واقعات کو عذابِ الٰہی سے تعبیر کیا اور مسجدوں کا رُخ کیا ۔بستی کی بڑی مسجد "مسجد تقویٰ" تھی۔امام صاحب نے حکم دیا کہ جمعہ کے روز تمام بستی والے مسجد کے بڑے میدان میں جمع ہو کر صدق دل سے توبہ استغفار کرے ۔پروگرام کے مطابق جمعہ کے روز تمام بستی مسجد کے بڑے صحن میں جمع ہو گئے"۔(17)

مندرجہ بالا پیراگراف سے معاشرے میں مولوی کے اہمیت کا پتہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔کیوں کہ تمام لوگ اس کے کہنے پر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں ۔مولوی صاحب بعد از نماز جمعہ تمام لوگوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ یہ تمام آفات سماوی قہر خداوندی ہیں۔اسلئے دعا کے لیے کوئی مومن ممبر پر بیٹھنے کے لیے آجائے ۔جب لوگ حیران ہوتے ہیں تو مولانا صاحب فرماتے ہیں:

"بھائیوں ! مومن وہ شخص ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو کوئی آزار نہ پہنچا ہو پوری دلی صداقتوں کے ساتھ اپنا محاصبہ کیجئے اور جو شخص اس معیار پر پورا اترتا ہو وہ ممبر پر دعا کے لیے آجائے"(18)

کوئی بھی فرد اُٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ ہر فرد اپنے آپ کو اس کسوٹی پر پورا اُترنے میں ناکام ہے۔پھر مولوی صاحب فرماتے ہیں:

"اگر بستی میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس نے ہمیشہ رزق،حلال کمایا اور رزق حلال کھایا ہو تو اس کی دعا بھی مستجاب ہو سکتی ہے"۔(19)

اب بھی تمام لوگ خاموش ہیں۔تو مولوی صاحب بول پڑتے ہیں:

"آپ سوچتے ہوں گے میں خود کیوں دعا نہیں کرتا؟میرا منشا آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا۔میں تو خود بھی شرمندہ ہوں۔میں بھی تو آپ ہی مقتدیوں کا امام ہوں۔(20)

مولوی صاحب کا اتنا کھرا سچ بولنا یقیناً حق گو ہونے کی نشانی ہے۔مولوی کا کردار نہ خوشامدی ہے اور نہ ریاکاری کا مادہ ان میں موجود ہے۔برسر ممبر سچ بولنے کا ہنر جانتے ہیں۔مسز منور رؤف کا یہ کردار بھی ایک مثالی کردار بن کر سامنے آتا ہے اور قاری کو جذباتی طور پر متاثر کرتا ہے۔ڈاکٹر رختاج امین نے مذکورہ افسانہ کے حوالے سے اجمالی تذکرہ کچھ یوں کیا ہے:

"'فاعتبر وایااولی الابصار"میں انسانی بداعمالیوں اور بد عنوانیوں سے پیدا ہونے والے معاشرتی عذاب کے حقیقت کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے"۔(21)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

پروفیسر منور روف کے باقی افسانوں کی بہ نسبت اس افسانے مین تجسّس کا عنصر زیادہ ہے۔لہٰذا ابتداء سے لے کر اختتام تک قاری واقعات و کیفیات کے جادو کا اسیر رہتا ہے۔سارے واقعات نہایت تیزی کے ساتھ یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔واقعات کی اسی تیزی، تسلسل اور روانی نے پلاٹ کو منطقی اور مربوط بنادیا ہے جو مصنفہ کی کامیابی کی دلیل ہے۔افسانہ یوں تو مکمل طور پر بیانیہ اسلوب میں لکھا گیا ہے لیکن ایک جگہ امام صاحب کے خطبے کی صورت میں مکالمہ نگاری بھی کی گئی ہے جو حد درجہ فطری اور فکر انگیز ہے۔اس مختصر افسانے میں بیان کردہ وہ منظر اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہے جہاں مسجد کا امام نمازیوں کو خطبہ دیتے ہیں اور دعا کے لیے مواوں شخص کی خصوصیات بتاتے ہیں۔یہ منظر پڑھ کر قاری اپنے آپ کو اس کا حصہ محسوس کرتا ہے اور نمازی جس احساس شرمندگی کا شکار ہوتے ہیں قاری بھی اسی حساس کا شکار ہو جاتا ہے۔بطور افسانہ نگار یہ منور صاحبہ کی کامیابی ہے کہ انھوں نے پڑھنے والے کو افسانے کے ماحول اور فضا میں ملوث کر دیا ہے۔مذکورہ افسانے اور اس کی مرکزی کردار پر سیر حاصل تبصرہ فرحانہ قاضی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> "افسانے کا واحد کردار مسجد کا امام ہے۔یہ ایسا حقیقی کردار ہے جو ہمارے معاشرے میں ہر جگہ موجود ہے۔اس کردار کے ذریعے مصنفہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عوام ناس تو ایک طرف، مذہبت رہنماء اور امام صاحبان بھی حقیقی معنوں میں مومن نہیں۔۔۔۔مگر دوسرت طرف ایک خوش آئیند بات سامنے آتی ہے کہ کم آز کم آج بھی ایسے لوگ موجود ہے جو سچ بول سکتے ہیں اور اپنی نااہلی کا اعتراف کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے جیسا کہ امام صاحب نے اپنی نااہلی اور گناہگاری کا اقرار علی الاعلان کرتے ہیں"۔(22)

الغرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ منور رؤف نے اپنے افسانوں میں مولوی حضرات کو بطور موضوع پیش کرکے اظہار خیال کیا ہے۔تاہم اس طبقے کے حوالے سے مذہبی اعتقاد اور عقیدت کا جذبہ زیادہ نمایا نظر آتا ہے۔جس سے افسانے کے فنی لوازمات کو نقصان پہنچا ہے کیونکہ مقصدیت کا یوں چھلکنا فنی اعتبار سے خامی ہی تصور ہوتی ہے۔

مولوی صاحب کے کردار کو افسانہ "انصاف" میں بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ڈاکٹر شیر زمان طائزئی نے معاشرے میں مولوی کے کردار کو واضح کیا ہے۔کہ جس میں مولوی مظہر الحق ان لوگوں کو جو انگریزی تعلیم حاصل کر رہے ہیں بلکہ ان کے سات پشتوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بننے کے تنبیہہ کر رہے ہیں۔افسانہ نگار یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے بچوں کو جدید علوم سیکھنے سے روکتے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں خود ان کی حالت کیا ہے۔افسانے کے کردار رمضان قصائی کے ذریعے ایسے عناصر کی منافقت کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔اور جب رمضان قصائی مولوی کو یاد دلاتا ہے کہ خود ان کے بچے تو انگریزی سکولوں میں پڑھ رہے ہیں اور ہمیں منع کیا جارہا ہیں یہ کونسا انصاف ہے۔بس یوں رمضان قصائی بھی مولوی کے زیر عتاب آگیا اور اگلے ہی دن مولوی مظہر الحق نے اس کو بھی مرتد قرار دے کر اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔اس کے بعد چار ڈانگ بردار صوفی مشٹنڈے رمضان قصائی کے دکان پر بھیج دیتا ہے۔اس واقعے کو افسانہ نگار یوں پیش کرتا ہے:

> "مولانا صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ رمضان کافر ہے۔اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ چاروں مذاہب سے حرام ہے۔"(23)

اس معاشرے میں ملا کا فتویٰ ہونے کی دیر ہوتی ہے باقی معاشرہ خود سمجھتا ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔اب مرتد رمضان سے لوگ گوشت لینا حرام سمجھتے ہیں۔رمضان کو معاشی طور پر بدحال کرکے بھی مولانا مظہر الحق کا غم وغصّہ ختم نہیں ہوتا۔جب انگریزوں کے خلاف ایک جلسے میں شریک رمضان کو گولی سے مار کر ہلاک کیا جاتا ہے اور اس کا دوست مولوی مصلح الدین جیسے حق پرست عالم اور اس کے طلباء کو بھی دھر لیا جاتا ہے تو مولانا مظہر الحق رمضان جیسے نام نہاد مولوی کا رویہ انتہائی گھٹیا انداز میں سامنے آتا ہے۔اس موقع پر مظہر الحق کا ایک اور فتویٰ بھی سامنے آتا ہے۔یوں ملک و قوم کی خاطر جام شہادت نوش کرنے والے رمضان کو بغیر جنازہ کے دفن کر دیا جاتا ہے۔اس معاشرے کے نام نہاد مولویوں کی منافقت کو عیاں کرنے کے لیے افسانہ نگار ایک اور واقعہ بھی پیش کرتا ہے۔وہ یوں کہ مظہر الحق کا ایک بیٹا رشوت لیتے ہوئے گرفتار ہو جاتا ہے اور دوسرا بیٹا تعبیر الحق جو کہ عالم بھی ہے، اپنے بھائی کو چھڑوانے کی خاطر سفارش کرتا ہے۔رمضان قصائی کا بیٹا جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو کر جج کے عہدہ پر فائز ہو چکا ہوتا ہے۔تعبیر الحق اس کو جانتا تک نہیں لیکن اس کی باتوں سے جب رمضان کے بیٹے کو پتہ چل جاتا ہے کہ موصوف تو اس مولوی کا بیٹا ہے جس نے اس کے باپ کے ساتھ انتہائی زیادتی کی تھی تو اس موقع پر اس کا رویہ دکھاتے ہوئے افسانہ نگار لکھتا ہے:

> "رشوت کا یہ مقدمہ اگر ملزم تعبیر الحق کی مرضی پر کسی اور عدالت میں تبدیل کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔کیونکہ میں ملزم کے خاندان سے ذاتی رنجش رکھتا ہوں۔ملزم کے باپ نے میرے والد پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔اور بغیر جنازے کے دفن کیا تھا۔میں نہیں چاہتا کہ میں ذاتی عداوت کی بنا پر انصاف کی راہ سے بھٹک جاؤں اور کوئی غلط فیصلہ کرلوں۔"(24)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

پختونوں کی یہی مذہبی جنونیت یا مذہب سے گہری وابستگی ہی کا نتیجہ ہے جس نے ان کو توہمات میں مبتلا کر دیا ہیں۔اگرچہ ان کے عقائد و نظریات بالکل واضح ہیں۔لیکن اس کے باوجود بعض توہمات ان میں موجود ہیں چونکہ یہ توہمات صدیوں کا ایک تسلسل ہے اس لیے بعض توہمات ان کی سوچوں اور خیالوں میں موجود ہیں اور ان کی صداقت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی وہ غیر شعوری طور پر بعض باتوں کو کہہ جاتے ہیں اور بعض باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر پروین عظیم کے افسانہ "پاپی" میں ایک بچے کا کردار پیش کیا گیا ہے۔جس کا اصل نام گل محمد تھا، جسے سوتیلے باپ نے بگاڑ کر "گلو" بنا دیا تھا جبکہ اسکی ماں اسے "گل" کے نام سے پکارتی تھی، جبکہ خاندان والے اسے "منحوس" کہا کرتے تھے کہ بقول ان کے اپنی پیدائش کے ایک ماہ کے اندر وہ اپنے باپ کو کھا گیا، یوں اس کی ماں اس کی وجہ سے ایک سال کے اندر اندر بیوہ ہو گئی۔اسی طرح گل محمد کا یہی پاپ کہ اس کے پیدائش پر اس کا باپ مر گیا اس کی پوری زندگی کے لیے باعث تکلیف بن جاتا ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار پشتونوں کے اس توہم کو حدفِ تنقید بناتا ہے کہ کسی کے پیدائش کا کسی دوسرے کے مرنے سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کی اپنی عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے جسے پورا کرکے وہ دنیا سے چلا جاتا ہے اور جس کی رزق جب لکھی ہو تب اسے دنیا میں لایا جاتا ہے۔لیکن پشتون معاشرے میں بعض جگہوں پر اس قسم کے توہمات پائے جاتے ہیں جس کا ذکر اس افسانے میں کیا گیا ہے۔

> "نام تو اس کا گل محمد تھا جسے باپ بگاڑ کر گلو کہتا۔ماں پیار سے گل کہتی۔خدا تعالی یار اور خاندان والے منحوس کہا کرتے بقول ان کے اپنے پیدائش کے ایک ماہ کے اندر اپنے باپ کو کھا گیا۔"(25)

پروین نے نام نہاد مولیوں کو اسلام کا لبادہ اڑھے اور ہر کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کی مذمت کی ہے۔افسانے میں مولوی کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ان کے افسانے ماضی کی یادوں اور حال کے مشاہدے کا سنگم ہیں جن میں زندگی کی حقیقتوں کو بڑی سادگی لیکن فن کاری سے سمویا گیا ہے۔ان کی تکنیک بیانیہ ہے۔موضوعاتی لحاظ سے تو ان کے افسانوں میں تنوع ملتا ہے لیکن تکنیک کے جھمیلوں میں وہ نہیں پڑتیں۔ایک راوی کی طرح کہانی بیان کر دیتی ہیں۔خود بھی اکثر کہانی میں واحد متکلم کے طور پر موجود رہتی ہیں۔ان کی اپنی شخصیت کے گہرے نقوش ان کی اکثر کہانیوں پر ثبت ہیں۔پروین کہانی کے المیہ انجام سے کہانی کے تاثر کو دو چند بنا دیتی ہیں۔افسانہ "پاپی" کا انجام تربیہ ہے لیکن یہاں بھی خوشی کو غم کی فضا بوجھل بنا دیتی ہے۔یہاں غم کے بوجھ تلے دباد با طربیہ انجام دھیما سا احساس سکون ضرور فراہم کرتا ہے لیکن آنکھیں پر نم رہتی ہیں۔

مشرف مبشر نے اپنے افسانے "روگ" میں توہم پر مبنی ایسی نفسیاتی ماحول کا تذکرہ کیا ہے۔گھٹن، تعصب، جبر و تشدد، نفسیاتی الجھن اور تنگ نظری پر مبنی اس معاشرے میں عورت ذات کی حیثیت ان کے ساتھ روا رکھا گیا ظالمانہ و غیر اخلاقی رویّہ تو چلو سسرال میں بہ امر مجبوری قابل برداشت ہے لیکن بابل کے یہاں بھی اس طرح کے سلوک و رویّے کا سامنا ہو تو مرنے کے سوا چارہ نہیں۔افسانہ نگار نے ایک طلاق یافتہ عورت کی بیٹی کے زباں کہانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ والد کے دوسری شادی کرنے پر ہم گھر کے بالائی منزل میں رہنے لگے لیکن والدہ کے طلاق پر ہم چار و ناچار ننھیال منتقل ہو گئے ماموں نے بہت آو بھگت کی ہمارا اچھے طرح سے خیال رکھا لیکن میرا کلیجہ کٹ کے رہ گیا جب میری شادی پر اپنی اس ماں کو اکیلا چھوڑ رہی تھی جنھوں نے اپنے جوانی میرے لیے بتادی اور مجھے بن باپ کے پالا پوسا۔

> "اس ماں کا درد سمجھنے وال اکوئی دل سوز نہ تھا جس نے اپنی جوانی کا رس نچوڑ کر ایک بن باپ کی بچی کو توانا اور مضبوط بنا دیا تھا مگر خود شاخ بریدہ اور برگ زرد کے مانند ایک بار پھر باد مخالف کے جھونکے سہنے کو تن تنہا ویران راہوں پر کھڑی تھی۔"(26)

افسانہ نگار نے پشتون معاشرت کے اس المیاتی حقیقت کو اُجاگر کیا ہے کہ یہاں اگرچہ بہنوں بیٹیوں کو والدین کے گھر عزت و توقیر سے نوازا تو جاتا ہے لیکن اس ذہنیت کا کیا کیا جائے جو طلاق اور بیوگی کی نحوست گردانی پر مبنی ہے۔اور ان کو بدبخت اور منحوس جانا جاتا ہے۔افسانہ نگار مظلوم پشتون عورت کی المناک زندگی کو شعوری طور پر اپنا موضوع بنا کر نئی نسل میں ایک انقلابی رویہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ایسا انقلابی رویہ جو عورت کو مرد جیسی استحصالی قوت سے متصادم ہو کر اپنے بنیادی حقوق کے حصول کا حوصلہ بخشے تاکہ اس میں وہ بیداری پیدا ہو سکے جو اس جدید دور میں ہر خطے میں جنم لینے والی عورت کا بنیادی حق ہے۔وہ بیمار معاشرے کی فرسودہ روایات کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایک نئے دور کی نوید سناتی ہیں جس میں عورت اپنی حیثیت منوالے گی جہاں نئے دور میں صحت مند اقدار پروان چڑھے گی جن کی روشنی میں انسانیت کش فرسودہ رسومات کے تاریک پہلو مٹ جائیں گے۔عورت کو آزادی سے جینے کا حق دیا جائے گا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

حوالہ جات

1. عبدالقادر، مولانا (مقدمہ)، پٹھان، مترجمہ سید محبوب علی، پشتو اکیڈمی پشاور، ۱۹۶۷ء، ص:29
2. قتیل شفائی، خوبانیاں، (افسانہ)، اٹک کے اس پار، فارغ بخاری/رضا ہمدانی (مرتبین)، گوشہ ادب، لاہور، 1954ء، ص:272
3. ایضاً، اٹک کے اس پار، از فارغ بخاری/رضا ہمدانی (مرتبین)، ص:275
4. ایضاً، اٹک کے اس پار، از فارغ بخاری/رضا ہمدانی (مرتبین)، ص:277
5. غنی خان، پور، (افسانہ) مشمولہ: اٹک کے اس پار، فارغ بخاری/رضا ہمدانی (مرتبین)، مترجمہ عبدالودود قمر، گوشہ ادب، لاہور، 1954ء، ص:199
6. رضا ہمدانی، غوبل، (افسانہ) مشمولہ: اٹک کے اس پار، فارغ بخاری/رضا ہمدانی (مرتبین)، گوشہ ادب، لاہور، 1954ء، ص:287
7. سحر یوسفزئی، آگ اور سائے، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، باراوّل: ۱۹۶۷ء، ص:41
8. ایضاً، آگ اور سائے، ص:72
9. مراد شنواری،، پشتو افسانے، مترجمہ رضا ہمدانی، نیا مکتبہ، پشاور، 1941ء، ص:33-34
10. ایضاً، پشتو افسانے، ص:35
11. فہمیدہ اختر، اپنے دیس میں، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، باراوّل، ۱۹۶۱ء، ص:199
12. فہمیدہ اختر، اپنے دیس میں، ص:201
13. منور روف، طرفہ تماشا، طاہر حسن پرنٹرز، موری گیٹ، لاہور 1978ء، ص:37
14. منور روف، طرفہ تماشا، ص:39
15. ایضاً، طرفہ تماشا، ص:40
16. ایضاً، طرفہ تماشا، ص:203-202
17. ایضاً، طرفہ تماشا، ص:204
18. ایضاً، طرفہ تماشا، ص؛20
19. ایضاً، طرفہ تماشا، ص:206
20. ایضاً، طرفہ تماشا، ص؛207
21. رختاج امین، ڈاکٹر، (مضمون)، منور روف شخصیت کے آئینے میں، از احمد پراچہ، یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار، پشاور، اگست، 2003ء، ص:106
22. فرحانہ قاضی، پروفیسر منور روف علمی اور ادبی خدمات، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے) شعبہ اردو، جامعہ پشاور، 2006ء، ص:95
23. شیر زمان طائزی، ڈاکٹر، صرف شرفاء کے لیے، مترجمہ قیوم مروت، گلشن ادب، سنت نگر، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص:82
24. شیر زمان طائزی، ڈاکٹر، صرف شرفاء کے لیے، ص:82
25. پروین عظیم، ڈاکٹر، گور کی کی ماں، فیصل آباد، ندیم شبلی، نشید شبلی، پبلی کیشنز، ۱۹۹۱، ص60
26. مشرف مبشر، برکھا کی بدلی، دستاویز مطبوعات، لاہور، 2003ء، ص:13